آزمائش سے نکلنے کی راہیں

عرفان صدیقی

ملکی حالات کے تناظر میں لکھی گئی ایک ایسی تحریر جس میں آزمائش کے گرداب سے نکلنے کی راہوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بے ساختہ جواب تو یہی ہونا چاہئے کہ پوری پاکستانی قوم سیسہ پلائی دیوار بن چکی ہے اور وہ کسی بھی بیرونی جارحیت کا منہ توڑ جواب دے گی لیکن بے ساختگی کی ترنگ کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہمیں اپنے گھر کی خبر لینا ہوگی۔ اپنے انداز واطوار کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ہوگا۔ ان عوامل کا احاطہ کرنا ہوگا جن کے سبب سولہ کروڑ افراد کا ایک ایٹمی ملک بے بس ولا چارسی ریاست بنا دیا گیا ہے اگر پورے اخلاص کے ساتھ ان پہلوؤں پر نظر نہ ڈالی گئی اور کوئی ٹھوس حکمت عملی وضع نہ کی گئی تو وقت اپنے نوشتے تحریر کرتا چلا جائے گا اور قومی سلامتی یونہی داؤ پر لگی رہے گی۔ لائن آف کنٹرول اور لاہور کی بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھارتی لڑاکا طیاروں کا ہماری فضاؤں میں در آنا، ایسا اشارہ نہیں جسے سرسری انداز میں نظر انداز کر دیا جائے۔ بھارت کھلے عام دھمکی دے چکا ہے کہ وہ آزاد کشمیر اور پاکستان میں مخصوص اہداف کو نشانہ بنا سکتا ہے اس ضمن میں مظفر آباد اور مرید کے کے نام بھی لئے جا چکے ہیں۔ اس پس منظر میں کیل کانٹے سے لیس بھارتی لڑاکا طیاروں کا ہماری حدود میں داخل ہو جانا، اتنا بھی سادہ معصوم اقدام نہیں جتنا ہمارے ارباب حکومت قرار دے رہے ہیں۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ بھارت سے زیادہ ہم وضاحتوں اور تاویلوں میں مصروف ہیں۔ بھارتی فضائیہ کے ترجمان نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے طیاروں نے کوئی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہماری وزیر اطلاعات فرماتی ہیں کہ بھارت نے اسے غلطی قرار دیا ہے۔ ایک بار پھر وہی کنفیوژن جو ایک عرصے سے ہمارا مقدر بنا ہوا ہے اور ایک بار پھر وہی حمیت سے محروم عاجزی وانکساری جو کمانڈو صدر نے سب سے پہلے پاکستان کے نام پر متعارف کرائی۔

کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہماری مسلح افواج کسی بھی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ تیار ہیں۔ پاکستانی فوج بہترین پیشہ وارانہ صلاحیتوں کی حامل ہے اس کا ہر جوان اور ہر افسر دفاع وطن کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا، سب سے بڑی سعادت خیال کرتا ہے۔ 1971ء یا کارگل جیسے بے تکے ایڈونچرز بیمار ذہنوں کو فتنہ پردازی تھے۔ اس کے باوجود ہماری فوج پوری مردانگی سے لڑی۔ پاکستان کو افغانستان یا عراق نہیں سمجھنا

چاہئے۔ اس پر ضرب لگانے کی کوشش کرنے والا اپنے وجود کو بھی سلامت نہیں رکھ سکے گا۔

لیکن دفاع وطن کے تقاضے فوج اور اسلحہ خانوں تک محدود نہیں رہتے۔ تاریخ کا سبق یہی ہے کہ ایک توانا، پرعزم اور جری قیادت اور ایک متحد قوم کے بغیر ہتھیار کوئی کرشمہ دکھا سکتے نہ فوج کوئی معجزہ رقم کر سکتی ہے پاکستان کے عوام کو تشویش یہ نہیں کہ فوج کوتاہی کرے گی یہ ہے کہ آزمائش کی اس گھڑی میں ہماری قیادت وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی اور سب کچھ بکھرا بکھرا سا دکھائی دیتا ہے۔ ہمیں فوری طور پر اپنے کردار وعمل کا جائزہ لے کر ٹھوس نتائج اخذ کرنا ہوں گے اور کم از کم سات زاویوں سے خود احتسابی کرنا ہوگی۔

پہلا یہ کہ ہم کب تک فرقہ ملامتیہ بنے رہیں گے؟ کیا وجہ ہے کہ خود اپنے ہی لباس پر سیاہیاں لکھنے اور خود اپنے ہی عارض ورخسار پر کالک تھوپنے میں ہمیں مزا آتا ہے؟ پرویز مشرف کے دور میں یہ صنعت عام ہوئی اور اب درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے امریکی کروسیڈ کی چاکری کا جواز پیدا کرنے کے لیے یہ حکمت عملی اپنائی گئی کہ پاکستان کو گناہوں کی پوٹ بنا دیا جائے۔ مشرف نے بطور صدر پاکستان کے نامہ اعمال میں ہر وہ فل لکھ دیا جس کا رشتہ کسی بھی طور دہشت گردی سے جڑتا تھا۔ وہ جہاں بھی گئے اسی نکتے کی تبلیغ کرتے رہے کہ پاکستان دہشت گردوں کا اڈا بنا ہوا ہے۔ انہوں نے دینی مدارس سے لے کر قبائلی عوام تک سب کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ یہاں تک کہ پاکستان کو ایٹمی پھیلاؤ کا مافیا ثابت کرنے کے لئے ڈاکٹر اے کیو خان کی قبا تار تار کر دی۔ اعلان اسلام آباد میں یکطرفہ طور پر لکھ دیا کہ پاکستان اپنی سرزمین بھارت کے خلاف استعمال نہیں ہونے دے گا۔ انتہا یہ کہ خالصتاً ذاتی اغراض کے لیے جسٹس افتخار محمد چوہدری کی برطرفی کو بھی وہ عالمی منڈی میں یہ کہہ کر فروخت کرتے رہے کہ چیف جسٹس، دہشت گردوں کو رہا کر کے وار آن ٹیرر کو نقصان پہنچا رہا تھا۔ اقتدار کی حرص میں اندھا ہو جانے والا شخص وطن کا چہرہ مسخ کرتا اور اسے دہشت گردوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ کے طور پر پیش کرتا رہا۔ نتیجہ یہ کہ دنیا پاکستان کو دہشت گردی کے حوالے سے جاننے لگی اور یہی ان کی پہچان بن گیا۔

دوسرا قابل غور پہلو بے حمیتی کی حدود کو چھوتی وہ بزدلی ہے جو مشرف کے دور میں شعار بنی او. جو اپنی تمام تر زہرناکی کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔ ان دونوں جنرل مشرف اور ان کے کاسہ لیس اٹھتے بیٹھتے قوم کو بتاتے رہتے تھے کہ ہم بے بس ہیں۔ ہم خود اپنے اڈے اور بندرگاہیں نہ دیتے تو امریکا خود چھین لیتا۔ ہم حملے نہیں کریں گے تو وہ خود شروع کر دے گا۔ یہ رویہ آج بھی موجود ہے وزیر دفاع نے متواتر بیان دیئے کہ ہم ڈرون حملوں کو روک نہیں سکتے کیونکہ ہمارے پاس ٹیکنالوجی نہیں۔ فضائیہ کے سربراہ نے دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا کہ امریکی ڈرونز کو مکھیوں اور مچھروں کی طرح مارا جا سکتا ہے اور ہمارے پاس اس کی صلاحیت ہے لیکن فیصلہ حکومت کو کرنا ہوگا۔ اب عالی مرتبت

فرماتے ہیں کہ اگر ہم نے بھارت کے مطلوبہ اقدامات نہ کئے تو دنیا ہمیں دہشت گرد قرار دیدی گی۔ جناب وزیر اعظم کا بیان آیا کہ اُمید ہے بھارت فضائی حملہ نہیں کریگا۔ کیا توانا لیڈر شپ کا طرز کلام یہ ہوتا ہے؟ پاکستان کا کوئی باشندہ نہیں چاہتا کہ بھارت یا کسی بھی ملک سے جنگ ہو۔ کوئی نہیں کہہ رہا ہے ہم امریکا پر چڑھ دوڑیں۔ لیکن کیا فدویت اور بے چارگی کی کوئی آخری حد نہیں ہوتی؟ کیا ہم بات کرنے کی صلاحیت بھی گنوا بیٹھے ہیں؟

اسی سے منسلک تیسرا پہلو ہے کہ ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے ہماری سفارت کاری کے پاؤں میں کس نے زنجیر ڈال دی ہے؟ ہماری زبانیں کیوں گنگ ہوگئی ہیں؟ ہمارے ہونٹ کیوں سل گئے ہیں؟ بھارت ایک عرصے سے ہمیں عدم استحکام کا شکار کرنے کے لیے مکروہ ہتھکنڈوں میں مصروف ہے۔ ہمارے پاس ٹھوس شواہد بھی ہیں ہم کیوں دنیا کو نہیں بتا رہے کہ یہ شریف زادہ جو ممبئی دھماکوں کے بعد واویلا کر رہا ہے اتنا بھی معصوم نہیں۔ ہم کیوں دنیا کو نہیں بتا رہے کہ مقبوضہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے؟ ہم کیوں اقوام عالم کو آگاہ نہیں کر پا رہے کہ بلوچستان میں بھارتی را کیا کھیل کھیل رہی ہے؟ ہم کیوں کشمیر سنگھ کی بلائیں لینے اور اسے پھولوں کے ہار ڈال کر ڈھول تاشے کے ساتھ سرحد پار پہنچانے پر مجبور ہیں؟ ہم کیوں سربجیت سنگھ کی سزائے موت ختم کرنے کے لئے آئین وقانون بدلنے کے درپے ہیں؟ 2003ء میں گجرات میں مسلم کشی کیوں اتنی جلدی بھلادی گئی؟ اور سفارت کاری کے تازہ ترین مظاہرے کو دیکھئے جس نے پوری قوم کی نگاہیں شرم سے جھکا دی ہیں۔ اقوام متحدہ میں ہمارے نمائندے عبداللہ حسین ہارون فرماتے ہیں کہ ہم بلاول بھٹو زرداری والی تقریب میں مصروف تھے اس لیے پتہ ہی نہیں چلا کہ سلامتی کونسل میں کیا قرارداد آ رہی ہے۔ کمال بے ہنری یہ ہے کہ قرارداد آنے سے پہلے ہی یہ کہہ دیا گیا کہ جو بھی حکم صادر ہوگا ہم عمل کریں گے۔ ہمارے خلاف قرارداد منظور کرنے والوں میں عوامی جمہوری چین کے علاوہ انڈونیشیا اور لیبیا بھی شامل تھے۔ کسی نے کسی سے رابطہ کر کے بھارتی عزائم بے نقاب کرنے یا اپنا نقطہ نظر سمجھانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ حسین حقانی جیسے مرد ہنر مند اور متحرک وفعال شخص کا کمال فن بھی ہمارے کسی کام نہ آیا۔ آخر کیوں؟

دفاع وطن کے لیے مطلوب تیاری کے حوالے سے تین نکات کا ذکر کیا جا چکا ہے، پہلا یہ کہ ہم احساس کمتری سے نکلیں، فرقہ ملامتیہ بنے رہنے کی روش ترک کریں اور اپنے چہرے پر کالک تھوپنے کے پرویزی فلسفے سے نجات حاصل کریں۔ دوسرا یہ کہ بے حمیتی اور بزدلی کو حکمت عملی بنائے رکھنے کا سلسلہ ختم کریں۔ دوسروں کی خوشامدانہ وکالت کرنے اور دست قاتل پر بوسے دیئے جانے کا طرز عمل چھوڑ دیں۔ اس کا تازہ ترین مظاہرہ بھارتی طیاروں کی طرف سے ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی ہے۔ بجائے اس کے کہ بھارت سے احتجاج کیا جاتا، ہمیں گھرکیاں دیتی دنیا کو متوجہ کیا جاتا، خود ہم نے وضاحتیں اور صفائیاں شروع کر دیں۔ صدر محترم نے خود یہ تفصیل بیان کی کہ

بھارتی طیارے چونکہ چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہے تھے اس لیے دائرہ نما موڑ کاٹتے ہوئے وہ زمینی حدود کا اندازہ نہیں لگا سکے۔ کیا یہ بیان کسی بھارتی ترجمان کی طرف سے نہیں آنا چاہیے تھا؟ تیسرا نکتہ یہ کہ ہماری سفارت کاری، دوست ممالک سے رابطے، اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی صلاحیت اور خود اعتمادی سے کلام کرنے کا حوصلہ کہاں گیا؟ ہم ایک جزیرہ بن کر کیوں رہ گئے ہیں؟

قومی سلامتی کو درپیش خطرات کے ازالے کے لیے چوتھائی ضروری نکتہ یہ ہے کہ ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے دامان تار تار کی بخیہ گری کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ لوگوں کو ہماری عسکری قوت، ہمارا اسلامی تشخص اور ہماری جوہری صلاحیت بری طرح کھلتی ہے۔ بھارت کے عزائم کسی سے پوشیدہ نہیں، ہم کتنے ہی بیک ڈور اور فرنٹ ڈور مذاکرات کرلیں کتنے ہی اعتماد افزا اقدامات کے مینا بازار سجالیں اور واری صدقے جانے کے کتنے ہی جتن کر لیں، بھارتی سامراج کی رگ رگ میں سمایا زہر ختم نہیں ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے اور ہم سے بغض رکھنے والی طاقتوں کے خبث باطن کا مداوا مشکل ہے لیکن اس سب کے باوجود ہمیں خود احتسابی کا مخلصانہ اہتمام کرنا ہوگا۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہمارے دیرینہ اور آزمودہ دوست بھی سفارتی میدان میں ہمارے شانہ بشانہ کھڑا ہونے سے کیوں گریزاں ہیں؟ کیا نظر آنے والی حکومت کے علاوہ بھی کوئی ایسی نادیدہ قوت موجود ہے جو بڑے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ پاکستان کے لیے مسائل پیدا کر رہی ہے! اطمینان کا مقام ہے کہ پاک فوج کی نئی قیادت ان نزاکتوں کو سمجھتی ہے، چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی، سیاسی حکومت اور پارلیمنٹ کی بالادستی کو اجاگر کرتے ہوئے فوج کے ادارے کو منتخب عوامی نمائندوں کی فکر کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ فوج کی اصل قوت، عوام کی پشت پناہی ہے۔ اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہوں نے سول اداروں میں خدمات سرانجام دینے والے ہزاروں فوجیوں کو واپس بلا لیا ہے۔ یہ ایک عمدہ موقع ہے کہ فوجی اور سول قیادت، ریاست کے آئینی نظم کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔ کارگل ڈرامہ ابھی کل کی بات ہے، مشرف نے دو تین ساتھیوں کے ساتھ مل کر، حکومت سے بالا بالا ایک ایسی مہم جوئی کی جس نے ایک مہذب اور ذمہ دار ریاست کے طور پر پاکستان کا چہرہ بری طرح مسخ کر دیا۔ اس تماشے نے پاکستان کی بین الاقوامی ساکھ پر اتنا گہرا زخم لگایا کہ ابھی تک اس سے لہو رس رہا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب چین اور سعودی عرب جیسے دوستوں نے بھی دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ ہماری تائید نہیں کر سکتے اور ہمیں اپنی فوجیں غیر مشروط طور پر واپس لانا ہوں گی۔ ہماری کٹی پھٹی اور بچی کھچی فوج تو کارگل کی فلک بوس چوٹیوں سے اتر آئی لیکن پاکستان ابھی تک لڑھکنیاں کھا رہا ہے۔ آج ساری دنیا یک زبان ہو کر ہمیں کوسنے دے رہی ہے تو اس کا سرچشمہ کارگل کے پہاڑوں سے ہی پھوٹا ہے۔ ایسی مہمات کی مستقل روک

تھام اور سمندر کی تہہ میں جوار بھاٹا پیدا کرنے والی بے مہار موجوں کو لگام ڈالنے کا وقت آ گیا ہے۔

تیاری کا پانچواں نکتہ یہ ہے کہ داخلی طور پر اتحاد و یکجہتی کے لیے محض لیپا پوتی کے بجائے خلوص کے ساتھ ٹھوس اور سنجیدہ کوشش کی جائیں۔ رسمی طور پر کوئی اے پی سی بلانے اور ایک روایتی سا اعلامیہ جاری کر دینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ حکومت اگر واقعی وسیع تر قومی اتحاد کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنا چاہتی ہے تو عدلیہ کا تنازع کیوں حل نہیں ہو رہا؟ 9 مارچ 2008ء اور 7 اگست 2008ء کے تحریری معاہدوں پر کیوں عمل نہیں ہو رہا؟ 3 نومبر کے سراسر غیر آئینی آمرانہ اقدام کا طوق کیوں ابھی تک قوم کی گردن میں جھول رہا ہے؟ سترہویں ترمیم کے خلاف پارلیمنٹ متفق ہے لیکن حکومت کیوں اس ناسور کی محافظ بنی بیٹھی ہے۔ (2B)58 کی تلوار بدستور لٹک رہی ہے۔ عدلیہ اور مقننہ کو مدمقابل لا اجا رہا ہے۔ سب سے بڑے صوبے کا گورنر مرکز کی چھتری تلے بیٹھا آگ اگل رہا ہے۔ اتحاد و یکجہتی کے قصیدے پڑھنے والی حکومت میں سے کوئی نہیں جو اسے گھر کی راہ دکھائے۔ قومی دفاع کے لیے قوم کو عزم و یقین عطا کرنے کی خاطر داخلی محاذ پر تیزی کے ساتھ اصلاح احوال کے عملی اقدامات کا اہتمام کرنا ہوگا، کانفرنسیں بلانے سے کچھ نہ ہوگا۔

چھٹا نکتہ سوات، باجوڑ اور قبائلی علاقوں کے آتش فشاں پر توجہ دینا ہے۔ پارلیمنٹ نے 22 اکتوبر کو ایک متفقہ قرار داد کے ذریعے 14 نکاتی لائحہ عمل تجویز کیا تھا۔ اس لائحہ کو بلا تاخیر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

اور ساتواں نکتہ یہ ہے کہ صدر آصف زرداری، پرویز مشرف کی جانشینی کے آشوب سے نکل کر آئین کے تقاضوں کے عین مطابق جمہوری پارلیمانی نظام کو بروئے کار آنے دیں۔ مشرف کا المیہ تھا کہ عوام میں اس کی جڑیں نہ تھیں، وہ مطلق العنان آمر تھا جو عوام، پارلیمانی یا مشاورتی نظام سے بالاتر ہوتا ہے۔ عالمی اوباشوں کو ایک فرد سے معاملات طے کرنے اور اسے ڈرا دھمکا کر اپنی بات منوانے کا موقع مل جاتا ہے۔ جمہوری نظام میں وزیر اعظم اپنی کابینہ کا، کابینہ اپنی پارلیمنٹ کی اور پارلیمنٹ اپنے عوام کے جذبہ واحساس کی پابند ہوتی ہے۔ بیرونی دباؤ کے سامنے یہ نظام مضبوط دفاعی دیوار کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ صدر زرداری کو چاہیے کہ وہ خود ساری دنیا سے معاملہ نہ کریں۔ آئینی چیف ایگزیکٹو کو اپنی صلاحتیں آزمانے اور پارلیمنٹ کو تمام تر توانائی کے ساتھ بروئے کار آنے دیں۔ اس سے ان کے کندھوں کا بوجھ بھی کم ہو جائے گا۔ یہ کسی طور پر مناسب نہ تھا کہ برطانوی وزیر اعظم کے ساتھ وہ خود ڈائس پر آ گئے۔ ان کا مرتبہ بالاتر ہے۔ گورڈن براؤن کے ساتھ یوسف رضا گیلانی کو کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ جس دن امریکہ، برطانیہ، بھارت اور ہمیں ڈرانے دھمکانے والوں کو یقین ہو گیا کہ اب ان کے سامنے ایک فرد نہیں سولہ کروڑ عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ کھڑی ہے اس دن ان کے تقاضے بھی سمٹ جائیں گے اور لہجہ بھی بدل جائے گا۔ ☆☆☆